پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

جدید عالمی نظام کیلئے امریکی لائحہ عمل

یہودی عزائم، امریکی منصوبے اور سازشیں بے نقاب

ریاست ہائے متحدہ امریکہ سے ہمیں ایک دردمند بھائی نے یہ وثیقہ ارسال کیا۔ یہ امریکی قومی مجلس امن کے فیصلہ پر مبنی ہے، جو اس نے ۱۲ مارچ ۱۹۹۱ء کو وائس آف امریکہ سے نشر کیا۔ یہ جدید امریکی عالمی نظام کے اہم نقاط کا بیان ہے۔

۱۔ مستقبل میں قیام امن کے نظام میں دیگر ممالک مثلاً فرانس، برطانیہ، اٹلی اور روس کو شامل کیا جانا چاہیے۔

۲۔ ایران اور ترکی ایسے غیر عربی ممالک کو ان ممالک کے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے تیار کیا جانا چاہیے جنھوں نے ہمارے ساتھ مل کر عراق کے خلاف جنگ لڑی مثلاً خلیجی ریاستیں، مصر، شام اور مراکش۔

۳۔ ایران اور عراق میں ہونے والے واقعات کے پیش نظر ہماری مستقبل میں سیاست یہ ہوگی کہ ایک ایسی فوج تیار کی جائے یا موجود رکھی جائے جو کسی بھی دوسری فوجی طاقت کا مقابلہ کر سکے، اس طرح اس منطقہ (مشرق وسطی) میں طاقت کا توازن بھی قائم رہے گا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ کسی عرب ریاست یا ترکی یا ایران یا ایتھوپیا (حبشہ) کو (علاقہ کا) پولیس مین بنا کر اسے یہ اجازت بھی دی جائے کہ وہ امریکی مفادات کے لیے خطرہ بن سکے۔

۴۔ خلیجی ریاستوں کی دفاعی طاقت (نہ کہ جنگی صلاحیت) کو بہتر بنایا جائے اور یہاں فوجی خدمات کو لازمی بنایا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھا جائے کہ ان ریاستوں کے ہمسایہ ممالک میں سے کسی کو بھی فوجی اعتبار سے اس قدر طاقتور نہ بننے دیا جائے کہ وہ ان پر حملہ آور ہو سکے۔

۵۔ جارحانہ اور مکمل تباہ کن جنگی ساز و سامان کی فروخت عربی اور اسلامی ممالک کے لیے بند کر دی جائے۔

۶۔ اگر کسی خاص ضرورت کے تحت اس مذکورہ بالا قسم کا اسلحہ ان ممالک کو فروخت کرنا ہی پڑے تو درج ذیل امور کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

(۱) ایسا اسلحہ زیادہ مقدار میں نہ دیا جائے۔

(۲) اس قسم کا اسلحہ نہ دیا جائے جو تیزی کے ساتھ حرکت میں لایا جا سکے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکے۔

(۳) فاضل پرزہ جات پوری مقدار میں نہ دیئے جائیں۔

(۴) اس اسلحہ کا سودا پانچ عرب ریاستوں (غالباً سعودی عرب، عرب امارات، شام، مصر اور مراکش) کی نگرانی میں کیا جائے۔

۷۔ شام مصر اور بعض دوسری چھوٹی غیر عرب ریاستوں مثلاً ایران، ترکی اور ایتھوپیا کی معمولی نمائندگی کے اشتراک سے ایک مشترکہ امن فوج تیار کی جائے۔

۸۔ خلیجی ریاستوں کی دولت، جو ان پر حملوں کا سبب بنی ہوئی ہے، کی مناسب تقسیم ایک بینک برائے تعمیر کے ذریعے عمل میں لائی جائے گی مگر اس بینک کی اصل پالیسی امریکہ، برطانیہ اور فرانس وضع کریں گے اس بینک کی نمایاں ترجیحات یہ ہوں گی۔

(۱) مشترکہ امن فوج کا کنٹرول سنبھالنا۔

(۲) ایسے ممالک میں بڑے منصوبوں کی تعمیر و تکمیل کے لیے فنڈ مہیا کرنا جو (مذکورہ بالا) مشترکہ فوج کے معاون ہوں، مثلاً شام۔ (۳) اس طرح ان بعض غیر ممالک میں ایسے منصوبوں کی تکمیل کے لیے فنڈات مہیا کرنا جو اس منطقہ میں امن کے لیے بڑا رول ادا کر سکتے ہیں مثلاً ایران، ترکی اور حبشہ۔

(۴) بعض اہم اور غریب حکومتوں مثلاً یمن، تیونس اور سوڈان کی مالی معاونت کرنا، البتہ ان حکومتوں کی اس طرح مدد کرتے وقت ان باتوں کو زیر غور رکھنا ہوگا۔

(۱) یہ مالی مدد صرف معمولی قسم کی تعمیر و ترقی کے لیے ہو۔

(ب) اس کے بدلے ان سے مضبوط تعلقات کی استواری کی توقع کرنا۔

(ج) اس مالی مدد کا مقصد ان حکومتوں سے امریکی پالیسی کی ہمنوائی کرنا ہوگا۔

۹۔ تمام عرب ملکوں کے ایسے حکومتی نظاموں کو تبدیل کرنا جو امریکی پالیسی سے مطابقت نہ رکھتے ہوں، اس منصوبہ کی بعض تفصیلات یوں ہوں گی۔

(۱) **خلیجی ریاستیں**: ان ریاستوں کے حکومتی نظام میں ردّ و بدل کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ہمیشہ امریکی پالیسی کی بنا پر جوش حامی رہی ہیں اور رہیں گی، ان کے اس حکومتی نظام کو باقی رکھنا ہی امریکی مفادات کا تحفظ ہے البتہ یہ کوششیں جاری رکھی جائیں کہ ان ریاستوں میں زمام اقتدار ایسے افراد کے ہاتھوں میں آئے جو مغرب کے تعلیم یافتہ ہیں اور ایسی کوششیں بھی کی جائیں جن کی بدولت ان ریاستوں کی مذہبی ثقافت کو بدل دیا جائے۔

(ب) **دیگر ممالک**۔ **شام**: شام کے حکمران حافظ الاسد ہمیں قبول ہیں، انہیں اس منطقہ میں کام کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ شام کو ترقی کے اس مقام پر لے جانا چاہیے جو حافظ الاسد کو اس خطہ کا مرد آہن بنا سکے کیونکہ انہوں نے (عراق کے خلاف جنگ میں) عملاً ثابت کر دیا ہے کہ ان پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ **مصر:** اگرچہ مصر کی موجودہ قیادت نے (امریکی پالیسی کے اتباع میں) صحیح اور قابل قبول رویہ اختیار کیا لیکن یہ حکومت مصری رائے عامہ کو کنٹرول نہیں کر سکتی لہٰذا ہمیں اس کے بارے میں جدید خطوط پر سوچنا ہوگا۔ دراصل جمال عبدالناصر اور انوار السادات کے دور میں آزادی رائے پہ پہرہ لگا دیا گیا تھا جس کے جمہوریت پر منفی اثرات ظاہر ہوئے۔ اب ضروری ہے کہ مصر میں جمہوریت کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جانا چاہیے تاکہ ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنی سرگرمیوں کو جاری رکھ سکے اور اسلامیین (بنیاد پرستوں) کو راہ سے ہٹانے کا یہی طریقہ ہے۔

۳۔ **فلسطین اور اسلامی تحریکات:** اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کو روکنے اور فلسطین کے قبضہ پر مسلمانوں کے (دینی، اخلاقی اور نفسیاتی) دباؤ کو کم کرنے کے لیے ان خطوط پر عمل پیرا کرنا ہوگا۔

مسلمانوں کو ان کے فروعی اختلافات میں الجھا کر ایک دوسرے سے لڑانا تاکہ وہ اپنی طاقت کا آپ مقابلہ کرتے رہیں، جیسے مصر کے محمد الغزالی نے اسلام میں عورت کے مقام کے موضوع کو چھیڑ کر باہمی منافرت کی جنگ کو بھڑکایا۔

وہ خلیجی ریاستیں جو اسلامی شریعت کے نفاذ پر سنجیدگی سے عمل پیرا ہیں یا اس کے نفاذ کے بارے میں غور کر رہی ہیں، ان کی حکومتوں کو تبدیل کرنا، جب کوئی حکومت اسلامی شریعت کا نفاذ کرے اس کے خاتمہ کے لیے پوری کوشش کرنا مثلاً سعودی عرب میں شرعی حدود کا نفاذ ہے اس کے لیے ان کے بعض شیوخ کو ورغلانا اور ان کی سرگرمیوں کو معطل کرنا چاہیے۔ اس طرح تمام اسلامی تحریکات اور مظاہر پر کاری ضرب لگانا ضروری ہے۔

جہاں اسلامی ذہن رکھنے والی حکومتوں کے بدلنے سے ایسے شرعی قوانین سے چھٹکارا حاصل ہو جاتے گا وہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہوگی کہ وہ علماء اسلام جو رائے عامہ پر اثر انداز ہو سکتے ہیں ان کے خیالات کی عوام تک رسائی میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہوں گی۔

حساس قسم کے حکومتی اداروں میں اسلامی ذہن رکھنے والوں کو ملازمت کے مواقع نہیں ملنا چاہیے۔ یہ پالیسی صرف خلیجی ریاستوں تک ہی محدود نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرہ کار تمام اسلامی ریاستوں تک بڑھانا ہوگا۔ اسلامی فکر کو آگے بڑھانے والوں کو تعلیم و تربیت اور ابلاغ عامہ کے ذریعے اپنے خیالات عوام الناس تک پہنچانے سے روکنا ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کی بدولت اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے کام کرنے والوں کو رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع دیا جا سکتا۔ مثلاً عبدالمعز عبدالستار اور یوسف القرضاوی نے انہی ذرائع (تعلیم و تربیت اور ابلاغ عامہ) سے عوام الناس میں پذیرائی پائی۔ اسی طرح بعض عراقی کویت کی شہریت حاصل کر کے طاقتور بن گئے اور اسلامی فکر کی قیادت ان کے ہاتھ آگئی۔ اسی طرح سعودی عرب میں مناع القطان نے اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

اسلامیین کو ان کے اپنے ممالک میں بھی، اقتصادی اور اجتماعی معاملات میں نمایاں مقام پیدا کرنے سے باز رکھنا ہوگا ورنہ وہ ان کے توسط سے اپنے ممالک سے باہر بھی اثر انداز ہوں گے۔

۱۰۔ بہت ہی قابل توجہ معاملہ عرب اور مسلمان ممالک سے افرادی قوت کا خلیجی ریاستوں میں آنے کا ہے اس کا روکنا نہایت ضروری ہے۔ ان کے مقابل افرادی قوت کا سری لنکا، فلپائن اور تھائی لینڈ سے لانا ضروری ہے کیونکہ ان ممالک سے لائی گئی غیر مسلم افرادی قوت اسلامی اعتقادات اور اقدار پر منفی اثرات چھوڑے گی۔ اگر ان تین ملکوں کی افرادی قوت ضرورت کا معیار یا مقدار پوری کرنے سے قاصر ہو اور دیگر ممالک (اسلامیہ اور عربیہ) سے لوگ منگوانا ہی پڑیں تو پھر یہ ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا کہ وہ پاکستان یا بنگلہ دیش سے نہ ہوں اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوگیا ہے کہ دیگر (غیر مسلم) ممالک سے رابطہ رکھا جائے (تاکہ بوقت ضرورت وہاں سے افراد بلائے جاسکیں)۔

۱۱۔ ضروری ہوگیا ہے کہ (مسلم ممالک کے) نظام تعلیم اور ثقافت کو تبدیل کیا جائے اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے پروگراموں کا وقت بڑھایا جائے۔

۱۲۔ اسلامی اور دینی جماعتوں مثلاً سلفی اور اخوانی کے مابین اختلافات کی حوصلہ افزائی کرکے انہیں زیادہ بڑھایا جائے۔

۱۳۔ اسلام فکر و کردار رکھنے والی حکومتوں مثلاً پاکستان اور سوڈان کی پسماندگی اور مشکلات کا شکار رہنے دیا جائے۔

امریکی قومی مجلس امن کا یہ ۱۳ نقاط پر مشتمل نئے عالمی نظام کا منصوبہ کس قدر جامع ہے؟ کتنی ژرف نگاہی اور مطالعاتی کاوشوں کے بعد تیار کیا گیا ہے؟ کتنا قابل عمل، عالم اسلام کی دشمنی میں کس قدر چابک دست ہے؟ اور کس قدر واضح حکمت عملی رکھنے والا ہے؟ اس کا اندازہ تو ہم میں سے ہر ایک نے اس کے ترجمہ سے کر لیا ہی ہوگا بشرطیکہ ہماری سوچ و فکر کے سوتے بالکل ہی خشک نہ ہوگئے ہوں اور ہماری رگ حمیت نے پھڑکنا بالکل ہی نہ چھوڑ دیا ہو یا امریکی ذلہ استبداد کے سامنے ہماری مرعوبیت احساس کمتری کی تمام حدود کو پھاند نہ چکی ہو اور ہم مکمل طور پر اپنی بربادی پر رضامند نہ ہو رہے ہوں، البتہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرتے ہوئے ہم اس کے اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے جاتے ہیں۔

(۱) امریکہ کو اس نئے عالمی نظام کے نفاذ کے لیے کفر کے ملت واحدہ ہونے پر یقین ہے، آپ دیکھیں گے کہ یہاں کسی غیر مسلم ملک کے لیے امریکہ نے نہ کسی خطرہ کا امکان ظاہر کیا ہے، نہ کسی کے خلاف خطرہ کی منصوبہ بندی کی ہے، بلکہ اس کی ابتداء ہی اس سے کی ہے کہ اس منصوبہ کے تحت مستقبل میں قائم ہونے والے امن میں فرانس، برطانیہ، اٹلی اور روس کو بھی شامل کیا جائے۔ اگر کفر اپنے تمام تر جغرافیائی، سیاسی، اقتصادی اور نسلی اختلافات کے باوجود مسلمانوں کے خلاف ملت واحدہ ہے تو کیا ایک اللہ، ایک رسول ﷺ، ایک قرآن اور ایک کعبہ کو ماننے والے مسلمان کفر کے خلاف ایک امت نہیں بن سکتے؟ آخر اغیار کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا شکار ہو کر وہ کب تک آپس میں ہی دست و گریباں رہیں گے؟ ان کے بھول پن اور سادگی بلکہ نادانی کا سلسلہ کب ختم ہوگا اور گم گشتہ مومنانہ فراست جو ان کی اصل متاع گرانمایہ ہے انہیں کب واپس ملے گی؟ یہ کب اپنی ہی عقل سے اپنا نفع و نقصان سوچیں گے؟ اور اپنے ماضی اور حال پر اپنی ہی نگاہ بصیرت ڈال کر اپنے مستقبل کا خاکہ وضع کریں گے؟۔

(۲) امریکہ کو خلیج کی دولت اور اس کی جغرافیائی اور اقتصادی پوزیشن اس قدر عزیز ہے کہ اس کے عالمی نظام جدید کے منصوبہ کا اکثر و بیشتر اس کے گرد گھومتا نظر آتا ہے۔ اس کی حفاظت کے لیے وہ ہر قربانی دینے کو تیار ہے، ہر اس ملک کا دشمن ہے جو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے اور ہر اس ملک کی مدد کے لیے آمادہ ہے جو اس کی دولت کی حفاظت کیلئے امریکہ کا معاون بنے اس پر اتنا ہی دریافت کرنا کافی ہے کہ خلیج کی دولت عربوں اور مسلمانوں کی ہے یا امریکہ کی؟ جب اس دولت کے اصل مالک عرب اور مسلمان ہیں تو پھر امریکہ کو اس کی حفاظت کا اس قدر جنون کیوں؟

غالباً اصل مالک اس دولت کا امریکہ ہے عرب تو محض پہرہ دار ہیں آپ نے اس منصوبہ کے نقطہ نمبر ۸ میں پڑھا ہوگا کہ اس خطہ کی دولت کی تقسیم بھی امریکہ اپنی مرضی سے ایک بینک برائے تعمیر و ترقی کے ذریعے کرنا چاہتا ہے، البتہ اس بینک کی مالیاتی پالیسی وضع کرنے میں وہ برطانیہ اور فرانس کا مشورہ لے گا جو مل کر یہ طے کریں گے کہ خلیج کی دولت میں سے کن کن ممالک کی کن کن شکلوں میں مدد کی جائے؟ امریکہ اور اس کے حواریوں کی اس سوچ و فکر بلکہ لائحہ عمل سے آپ کن نتائج کی توقع کرتے ہیں؟ میرے خیال میں جواب واضح ہے۔

(۳) خلیجی ریاستوں میں افرادی قوت کے برآمد کرنے میں بھی امریکہ اپنی پالیسی ان ریاستوں کو دے رہا ہے۔ یہاں پہلے افرادی قوت پاکستان، بنگلہ دیش، بھارت، سوڈان اور مصر فراہم کرتے ہیں مگر امریکہ کو پاکستان، بنگلہ دیش اور سوڈان کے سادہ دل مسلمانوں کی پختگی ایمان سے خطرہ ہے وہ جانتا ہے کہ یہ افراد خلیج میں اپنی اسلامی اقدار اور معتقدات کے ساتھ آتے ہیں اور یہاں کے عوام کو بھی متاثر کرتے ہیں اور انہیں مسلم بن کر رہنے کی عملی ترغیب دیتے ہیں، دوسری طرف یہاں سے دولت کما کر اپنے ممالک میں بھیجتے ہیں تو یہ دولت وہاں کی اسلامی تحریکات کی معاونت کا ذریعہ بنتی ہے یا کم از کم ان کما کر لے جانے والے افراد کو مالی طور پر اس قدر مستحکم کر دیتی ہے کہ بھوک کے ڈر سے یا دولت کے لالچ میں امریکی پالیسیوں کی ہمنوائی نہیں کرتے بلکہ بے خوف مخالف بن جاتے ہیں۔

امریکہ ایسے افراد اور ممالک کو ان کی اسلامیت کی سزا دینے کے لیے خلیجی ریاستوں کو آمادہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ افرادی قوت سری لنکا، تھائی لینڈ اور فلپائن سے منگوائیں۔ اس سے امریکہ دو شکار کرنا چاہتا ہے ان ممالک کے کافر لوگ آکر خلیجی مسلمانوں کے اسلامی عقائد و نظریات، جنہیں دولت کی طلب نے اگرچہ پگھلا دیا ہے، کو کمزور کریں گے اور ان کی دینی ثقافت کو خراب کریں گے نیز یہاں سے دولت کے بہاؤ کا رخ اسلامی ممالک سے غیر مسلم ممالک کی طرف ہو جائے گا۔ نتیجۃً اسلام کمزور اور کفر معاشی طور پر مستحکم ہوگا، جو امریکہ کی اصل غرض ہے۔

افرادی قوت کے بارے میں امریکی پالیسی کو خلیجی ریاستوں نے کس قدر پذیرائی بخشی ہے اس کے واضح آثار آپ ان میں سے کسی ریاست کا سفر کر کے دیکھ سکتے ہیں، مزید کچھ کہنا ہمارے ملکی مفاد میں نہیں ہوگا۔

(۴) اسلحہ کی فروخت کے بارے میں امریکی پالیسی اگرچہ خلیج کی دولت کے محور پر گردش کرتی نظر آتی ہے کیونکہ وہ

خلیج کا دفاع اس لیے مضبوط بنانا چاہتا ہے کہ اس کی دولت محفوظ رہے مگر وہ خلیجی ریاستوں (جو کہ مسلمان بھی ہیں) کو اس قدر مضبوط نہیں دیکھنا چاہتا کہ کل وہ امریکی امداد سے بے نیاز ہو کر اپنی دولت اپنی حفاظت کرنے کے قابل ہو جائیں لہٰذا وہ انہیں بھی صرف دفاعی قسم کا اسلحہ برآمد کرے گا اور وہ بھی غیر مکمل۔ اگر آپ اس منصوبہ کے نقطہ ۲ اور ۳ کو دیکھیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ امریکہ کی اسلحہ پالیسی دراصل امت مسلمہ کے کمزور کرنے اور غیر مسلم ممالک کو طاقتور بنانے پر مبنی ہے، وہ چاہتا ہے کہ مسلمان ممالک زیادہ سے زیادہ اپنے دفاع کے اہل ہوں اور وہ بھی ایسے ممالک جو امریکی نظام جدید کے ہمنوا بلکہ مبلغ بن کر رہنے کا عہد کریں اور عملی ثبوت بھی دیں، رہے باقی مسلم ممالک تو انہیں امریکہ اپنا دشمن گردانتا ہے لہٰذا انہیں دفاعی طور پر کمزور بنانا اور ان پر بوقت ضرورت ضرب کاری لگانا اپنا حق سمجھتا ہے۔

(۵) امریکہ مسلم ممالک کی قیادت بھی اپنی مرضی اور منشا کی چاہے گا وہ ہر ناپسندیدہ قیادت کو ہٹانا اور پسندیدہ قیادت کو آگے لانا چاہتا ہے، اس پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا معیار امریکہ متعین کرے گا گویا کسی بھی مسلم ممالک کے عوام کو یہ حق نہیں کہ اپنی مرضی کی قیادت بذریعہ استصواب رائے یا بذریعہ مشاورت اہل علم و خبر آگے لائیں بلکہ انہیں امریکی پسند یا ناپسند کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں امریکہ ان افراد کو قیادت کے لیے بہتر سمجھتا ہے جو مغرب کے تعلیم یافتہ ہوں یا امریکہ پالیسی کے فریفتگان میں سے ہوں، کسی اسلامی سوچ و فکر کے حامل غیرت مند مسلمان کو یہ حق نہیں ملنا چاہیے جیسا کہ الجزائر میں اسلامک سالویشن پارٹی کا حشر ہوا ہے جس کے بیشتر افراد واضح عوامی تائید کے باوجود جیلوں میں ہیں

اگر امریکی منصوبہ کی شق ۹ جہاں منصوبہ کی طویل ترین شق ہے پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ امریکی پسندیدگی و ناپسندیدگی کی ترجیحات بالکل واضح ہیں، اسے خلیجی ریاستوں عرب امارات، عمان، بحرین، قطر، کویت اور سعودی عرب کی وفاداری تو سوری [illegible] حافظ الاسد جیسا [illegible] بھی چاہیے مگر مصری قیادت وفاداری میں استواری کے باوجود قابل قبول نہیں کیونکہ وہ اسلامی تحریکات کو کچلنے میں ناکام رہی ہے۔

اصل میں امریکہ کو صرف اسلامی تحریکات اور اسلامی فکر کے حامل افراد کا ڈر ہر وقت لگا رہتا ہے، اسکی ساری منصوبہ بندی اسی دشمنی [illegible] امریکہ کی اسلام دشمنی ہے، وہ اسلام اور اسلام کے نظام کے علمبرداروں کو ختم کرنا چاہتا ہے اس کی خاطر وہ بڑی عیارانہ پالیسی پر عمل پیرا ہے، اس پالیسی کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

(۱) مسلمانوں میں گروہ بندی اور فرقہ واریت کے ذریعے داخلی انتشار پیدا کرنا اور انہیں آپس میں دست و گریبان کر کے ان کی قوت کو ختم کرنا، ایسے سکالرز کی حوصلہ افزائی کرنا جو مسلمانوں میں انتشار کو ہوا دینے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

(۲) ان ممالک کی حوصلہ شکنی کرنا جن میں اسلامی حدود نافذ ہوں یا وہ کرنے والے ہوں۔

(۳) اسلامی تحریکات کے محرکین کے لیے مشکلات پیدا کرنا، ان پر ابلاغ عامہ کے دروازے بند کرنا، انہیں مالی اور معاشی پریشانیوں کا شکار کرنا تاکہ ان کی توجہ ان کے اصل کام یعنی ترویج اسلام سے ہٹ کر فکر معاش میں کھو جائے

(باقی ص ۳ پر)